

اسلام اور مغرب کے باہمی اختلافات

The Conflict Between Islam and the West

* پروفیسر ڈاکٹر دوست محمد خان

Abstract:

The paper endeavors to shed some light on the relationship between Islamic World and the West especially America. Using narrative methodology, we examine the concept of clash of civilisation aggressively followed by the Western Philosophers and thinkers and antegoistic approach towards Muslims and Islamic Way of life, the gulf between the two is widening to an alarming extent. Looking, at this scenario, the paper suggests that emphasis should be laid on inter-cultural complementarity, reframe differences and pursue the cause of peaceful coexistence among the nations of the world.

مجھے نہیں معلوم کہ رڈیارڈ کپلنگ نے یہ جملہ کہ 'مشرق'، 'مشرق' ہے اور 'مغرب'، 'مغرب' یہ کبھی بھی آپس میں مل نہیں سکتے۔ اکس تناظر میں کہا تھا لیکن میں اس بات کی معمولی مطالعہ مغرب و مشرق کے پیش نظر یہ ضرور کہتا ہوں کہ اس مغربی فلاسفہ نے کمال کیا ہے۔ بات دوڑوک کہی ہے اور بغیر لگی لپٹی کے کہی ہے۔ مغرب اور مشرق میں اتنا ہی فرق ہے جتنا زمین و آسمان میں۔ ایک طرف سے سورج طلوع ہوتا ہے تو دوسری طرف غروب ہوتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس وسیع کائنات کے ان دو مخالف خطوں میں جس طرح جغرافیائی بعد ہے اسی طرح ان خطوں میں رہنے والے انسانوں کے افکار اور زندگی کے بنیادی معاملات میں بہت بڑا فرق و اختلاف ہے۔ مغرب کی موجودہ ترقی یافتہ دور سے قبل انسانی سماج کی سطح پر کچھ کچھ مشترکات موجود تھیں لیکن سامنے ترقی اور اس کے تحت وہاں کے فلاسفہ اور

* ڈاکٹر یحییٰ، شیخ زاید اسلامک سسٹر، پشاور پیور نوری۔

سانسندانوں کے نظریات نے انسانی زندگی کو جس طرح متاثر کیا اور مشرق (اسلامی تہذیب و تمدن) سے دور کیا، اس کے پیش نظر متذکرہ بالا مغربی فلاسفہ و دانشوروں کے یہ الفاظ بے ساختہ یاد آ جاتے ہیں۔ انیسویں و بیسویں صدی میں مشرق پر مغربی استعماری تسلط اور وہاں کی سائنسی ایجادات و تخلیقات نے اگرچہ مسلمان ممالک کے عوام کو بھی بری طرح متاثر کیا۔ لیکن اس کے باوجود کشمکش جاری ہے۔ مغربی ممالک اور امریکہ میں رہنے والے مسلمانوں کے طرز زندگی سے وہ لوگ کیوں خائف ہیں۔ کیوں مسجد کے مینار اور خواتین کے حجاب سے پر خاش رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ یہ سب ممالک سیکولر ازم کے دعویدار ہیں لیکن ان کی سیکولر ازم اندر سے اتنی کمزور ہے کہ فرانس کے ساحلوں پر مسلمان خواتین کی بر قینی پہنچ سے تحریر کرنے کی لگتی ہے اور بر قینی پر پابندی لگوادیتے ہیں۔ مغرب کی حکومتیں اور ان کے دانشور ظاہر آسلام کی تعریف کرتے اور مسلمان حکومتوں اور عوام کے ساتھ اچھے تعلقات اور انسانی حقوق کی پاسداری کا نعرہ لگاتے نظر آتے ہیں اور ہمارے ہاں کا حکمران، اشرافیہ اور نو دولتیا طبقہ ان کا مدامح بھی ہے اور ان کی تہذیب میں رنگا ہوا بھی۔ لیکن اس کے باوجود مغرب اور مشرق کے درمیان وہ تعلقات استوار نہ ہو سکے جو بنی نوع انسان کے لئے باہمی استفادے اور بقاء باہمی پر مبنی ہوں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیوں؟ جب آج ہم سب یعنی مغرب و مشرق، شمال و جنوب، مواصلات کی ترقی کے سبب ایک عالمگیر معاشرے اور نئے ورلڈ آرڈ کی تشکیل کی بات کرتے ہیں تو اس کے لئے انسانیت کی سطح پر بقاء باہمی کے لئے اقوام متحده کے ذریعے وہ بنیادی اصول وضع کرنے اور ان پر عمل کرنے میں کون سی چیز یا عوامل مانع ہیں۔ انیسویں صدی کے بعد مسلمانوں نے مغرب کے ساتھ بقاء باہمی کی ہر ممکن کوشش کر لی، لیکن مغرب کا ذہن و داع و اور دل صاف نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ اس کے پیچھے وہ موروثی فکر (Legacy) ہے جو مغربی تہذیب کو اسلامی تہذیب کے ساتھ کشمکش کی صورت میں ملی ہے۔ ۱۹۸۹ء میں دیوار برلن کے گرنے سے دنیا میں بہت بڑی تبدیلی واقع ہوئی۔ اس دیوار کے گرنے یا گرانے میں مسلمانوں کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اس کے گرنے کے بعد ہم مسلمانوں میں ایسے دانشوروں اور پالیسی سازوں کی بہت کمی محسوس ہوئی جو اس عظیم واقعہ سے فالدہ اٹھاتے اور امت مسلمہ کے مستقبل کی حفاظت و ترقی کے لئے نیا لائحہ عمل تیار کرتے۔ ہم اس کام میں بری طرح ناکام ہوئے اور جzel حمید گل مر حوم کے ڈرائیگر روم میں دیوار برلن کا ٹکڑا دھرے کا دھرا رہ گیا۔ لیکن مغربی سیاستدانوں، پالیسی سازوں اور دانشوروں اور لکھاریوں نے اس کے لئے خوب تیاری کر کے اپنے ملکوں کی خارجہ پالیسی کے لئے نئے اصول اور حکمت عملیاں وضع کیں۔ جاپانی، چین اور امریکی مفکر فرانس فوکو یاما نے امریکی رسائل (ذریعام پر غور فرمائیں) نیشنل انٹرست میں ”انہائے تاریخ“ (The end of

(History) کے عنوان سے اپنے شہرہ مضمون میں دنیا بالخصوص عالم اسلام کو یہ پیغام دیا کہ کسی نے اس دنیا میں رہنا ہے تو امریکی تہذیب و فکر کے ساتھ رہنا ہوگا کیونکہ اس تہذیب کو گزشتہ سو سال کی عملی جدوجہد کے طفیل جو ترقی ملی ہے یہ انسان کی نظریاتی و فکری معراج ہے اور اس کے علاوہ دنیا میں کوئی ایسی تہذیب و فکر نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے یا اس کے متوازی چل سکے۔ اس لئے اب دنیا میں جتنی بھی قابل ذکر تہذیبیں ہیں ان کے درمیان کشمکش ہمیشہ کیلئے ختم ہو گئی ہے اور اب ”راج کرے گا خالصہ“ اور ساری دنیا میں مغربی جمہوریت کے سوا کوئی دوسرا نظریہ یا نظام نہ آنے والا ہے اور نہ چلنے والا ہے۔ فوکو یاما نے اپنی دانست میں بہت بڑی بات کی اور اپنے ملک و قوم کے مفادات کو تحفظ دینے کے لئے بہت دور کی کوڑی لائے لیکن انکی یہ بات علمی، فکری اور دنیا میں موجود دیگر ٹھوس و مدلل نظریات کے پیش نظر درست نہ تھی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ مسلمان دنیا سے کوئی امتحنا اور مدلل جواب پیش کرتا لیکن اللہ کی قدرت دیکھنے کے اپنے دین کی حفاظت و حفانتی کے لئے عجیب انتظام و تدایر فرماتا ہے۔ فوکو یاما کی اس فکر کے بر عکس بر نارڈ یوس جوبش کے مذہبی امور کے مشیر بھی رہے ہیں نے ایک بڑا ہی الارمنگ مضمون عنوان (The Roots of Muslim Rage (of Muslim Rage (مسلم غم و غصہ کی جڑیں)) لکھا اور اس میں تہذیبوں بالخصوص اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب کے درمیان تصادم کے نظریے کو پورے پس منظر کے ساتھ ایک حقیقت کے طور پر پیش کیا۔ اس نے لکھا کہ ”اسلام خیر و شر کی کشمکش میں سیاست اور عسکری قوت کا حصول ضروری سمجھتا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یاد کریں، وہ صرف ایک پیغمبر اور معلم ہی نہ تھے دوسرے مذاہب کے بانیوں کی طرح، بلکہ وہ ایک قوم (امت) ریاست کے سربراہ، حکمران اور سپاہی (سپہ سالار) بھی تھے۔“

هن ٹنگٹن نے اپنی کتاب میں تہذیبوں پر بحث کرتے ہوئے واضح الفاظ میں لکھا کہ مغربی تہذیب اپنی سیاسی، معاشری اور علمی طاقت اور غلبہ کے زور پر پوری دنیا کو اپنے مخصوص نظریات (سیکولر ازم وغیرہ) کے تحت دیکھنا اور پر کھنا چاہتی ہے اور یہ اس کا نیادی حق ہے۔ کیونکہ یہ تہذیب ترقی کے سبب غالب رہنے کے قابل اور مستحق ہے۔^۲

۱۹۹۰ء کے عشرے میں جس کتاب پر سب سے زیادہ بحثیں اور سیمینارز اور مکالمہ وغیرہ ہوئے وہ اسی امریکی مصنف کا ایک مضمون تھا جو امریکی رسائل فارن آفیئر ز میں چھپا تھا۔ لیکن اس مضمون پر دنیا بھر کے دانشور اور علمی حلقوں سے جو رد عمل ظاہر ہوا اور اس کو جو اہمیت ملی ہے ہن ٹنگٹن نے اس کو موقع غنیمت جانتے ہوئے اپنے اس مضمون کو ۱۹۹۶ء میں وسعت دے کر (The Clash of Civilization and Remaking of the new world order) کے نام سے دنیا کے سامنے کتابی صورت میں پیش کیا۔

۱۱/۹ کے بعد امریکی صدر بش کی زبان سے یہ جملہ افغانستان اور عراق پر حملہ آور ہونے کے بعد جب صلیبی چنگوں کا آغاز دوبارہ ہو گیا ہے کی صورت میں سامنے آیا اور بعد میں اسے زبان کی پھسلن قرار دیا گیا جو قرآن کریم کے الفاظ میں ”ان کی دل کی بات زبان پر آہی جاتی ہے“ کے مصدقہ بالکل صحیح تھا، نے اس کتاب (تہذیبوں کا تصادم) پر بحث و مباحثہ ایک نئے انداز میں شدت کے ساتھ آگئے بڑھایا۔ پاکستان اور عالم اسلام تک اس کتاب میں پیش کئے گئے نظریے کی حدت پہنچ تو گئی لیکن عالم اسلام میں فکری و نظریاتی انوار کی وانتشار اور علمی ضعف اور ناقدری کے سبب بہت کم حلقوں میں اس کی بازگشت سنائی دی۔ یہاں تک کہ عالم اسلام اور پاکستان کی جامعات میں کسی ڈھنگ کا سیمینار یا کانفرنس تک اس کتاب پر بحث و تحقیص کے حوالے سے منعقد نہ ہو سکی۔ بد قسمتی سے ہماری جامعات میں علوم کو وہ وقیع اور ٹھوس توجہ ابھی تک حاصل نہیں ہو سکی ہے جو جامعات کا خاصہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے دینی حلقوں اور رائٹ ونگ کی جانب سے ایک آدھ مضمون یا کتاب و کتابچہ وغیرہ اگر کہیں آیا تو آیا ورنہ ٹو دی پوائنٹ جواب آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ یہ بھی ہماری بڑی بد قسمتی ہے کہ ہمارے مدارس اور دائیں بازو کے اکثر علماء اور دانشور مغربی فلسفے اور بالخصوص ۱۱/۹ کے بعد مغربی سائیکلی اور ذہن کو پڑھنے کے لئے مطلوبہ علمی قابلیت، زبان اور اسلوب و لہجہ سے لیس نہیں۔ ہن ٹنگوں نے بہت کھلے الفاظ میں لکھا ہے کہ اسلامی اور مغربی تہذیب کے درمیان تصادم ناگزیر ہے بلکہ یہ تصادم شروع ہو چکا ہے۔ اس وقت اسلامی دنیا اور مغرب اور امریکہ وغیرہ کے درمیان جو صور تھال برپا ہے اس کو ریاستی اور حکومتی مجبوریوں کے تحت جو بھی نام دیا جائے اس کے لئے کوئی نہ کوئی جواز و بہانہ وغیرہ تلاش کیا جاسکتا ہے۔ لیکن در حقیقت یہ تہذیبی تصادم ۱۱/۹ کے بعد بہت نیزی کے ساتھ آگئے بڑھ رہا ہے اور یہ تصادم اور ٹکڑاؤ یا جنگ سیاست، معاشیات اور سائنس و ٹیکنالوجی کے میدانوں میں نہیں ہے کہ وہ تو مغرب کب کاجیت چکا ہے بلکہ یہ تصادم خالص تہذیبی بنیادوں پر جاری ہے۔

افسوس کہ عالم اسلام میں علمی اور تحقیقی ادارے موجود نہیں اگر کہیں ہیں تو برائے نام اور اگر کہیں نجی شعبہ میں چند سخت جان اور سر پھرے قسم کے لوگ مغرب کو علمی اور تہذیبی بنیادوں پر جواب دے بھی رہے ہیں تو حکومتی حوصلہ افزائی کے بجائے اکثر ان کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار ہی ہوتا ہے۔

مغرب کا جنگجو اور اسلحہ مافیا بھرپور کوشش میں ہے کہ ہنگنگ کے نظریات کو عملی شکل جتنا جلد ممکن ہو دیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی تہذیب اپنی ساری رعنائیوں اور عالمگیر دعوؤں کے باوجود

بعض بنیادی نقاوں کی وجہ سے (باخصوص دہرے عالمی معیارات کے سبب) رو بہ زوال ہے۔ لیکن اس کی بھرپور کوشش ہے کہ وہ آئندہ ایک صدی اور سپر پاور کی حیثیت سے دنیا پر حکمرانی کرے۔

ہن ٹنگٹن سے پہلے مغرب کے کئی ایک مورخین نے دنیا کی تہذیبوں کے حوالے سے بات کی ہے اور ان کے درمیان اختلافات کی نویعت بیان کی ہے لیکن ہن ٹنگٹن نے عجیب بات یہ کہی ہے کہ دنیا میں تین تہذیبوں قابل ذکر ہیں۔ مغربی تہذیب، اسلامی تہذیب اور چینی (کنفوشس) تہذیب۔ امریکہ اور مغرب کو خطرہ ہے کہ اگر کہیں کنفوشس تہذیب نے اسلامی تہذیب کے ساتھ ہاتھ ملایا تو آئندہ کی سپر پاور کے تخت پر چیلن۔ راجحان ہو سکتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کے پہلو میں اسلامی تہذیب اپنی محبت و عفو در گزر اور اخلاقی عظمت کی نشأت ٹانیے کے ذریعے دوبارہ چین کو اپنے دامن میں لے کر غالب ہو جائے۔ سی پیک کے خلاف امریکہ، بھارت، اسرائیل اور بعض دیگر ممالک کی لئے ترانیاں کہیں تہذیبی تصادم کی صورت تو نہیں ہے۔ اسلامی تہذیب کے ساتھ مغرب کا اختلاف تہذیبی اور ثقافتی بنیادوں پر روز بروز بڑھ رہا ہے۔ اس میں چار عوامل اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ (۱) مسلمانوں کی آبادی میں اضافے کے ساتھ بے روزگاری میں اضافے کے سبب نوجوانوں کا اپنے مسائل کے حل کے لئے مغرب کی طرف ہجرت (۲) مغرب کا طاقت کے بل بوتے پر اپنے تہذیبی اقدار کو مسلمانوں پر بزور مسلط کرنا (۳) اشتراکیت کے خاتمه کے بعد مغرب اور اسلام کا آمنے سامنے ہونا (۴) مغرب کی عالمگیریت میں مسلمانوں کو اپنی شاخت کی فکر کا دامن گیر ہونا^۵، برنا روڈ لیوس امریکہ کی مشہور پرستن یونیورسٹی کا پروفیسر ہے۔ اسلام اور مشرق و سطحی (عرب دنیا) پر اسلامی تہذیب و تمدن و تاریخ کے مطالعہ و تحقیق کے حوالے سے بہت زبردی تحریروں و تالیفات کے لئے معروف ہیں۔ لیکن اپنی تحریروں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تعصب اور بعض کو ملفوظ کر کے پیش کرنے میں بہت مہارت رکھتے ہیں اور ڈپلو میشن سے کام لیتے ہوئے کھل کر اپنے مخالفانہ جذبات کا اظہار کرنے سے پہلو بچا کر لکتے ہیں۔ تہذیبوں کے درمیان تصادم کے نظریات کے اصل خالق یہی صاحب ہیں لیکن ان کے نظریات سے استفادہ کرتے ہوئے زیادہ منظم انداز میں جس شخص نے تصادم کے نظریے کو پیش کیا وہ سیموئیل پی ہن ٹنگٹن ہیں جو امریکہ کی نیشنل سیکیورٹی کو سن میں منصوبہ بندی کے ڈائریکٹر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب تہذیبوں کے تصادم میں تہذیبوں کے تصادم (Clash of Civilization) میں فوکویاما کے نظریات کو رد کرتے ہوئے آئندہ کے لئے تصادم کی بنیاد تہذیبوں کے درمیان جنگ کو پیش کیا۔ ہن ٹنگٹن کے مطابق (تو بجا ہے) اسلامی اور مغربی تہذیب کے درمیان تصادم کوئی نئی بات نہیں کیونکہ یہ اختلاف اور کشمکش گذشتہ تیرہ سو برس سے جاری ہے۔ مغرب کے اکثر و بیشتر

سکالرز اور موئر خیں اس بات کا کھل کر اعتراف کرتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سا شوں اور چالبازیوں کے علاوہ موقع بہ موقع جارحانہ رد عمل کے اظہار سے کبھی نہیں پہنچایا۔ ۱۹/۱۱ کے بعد تو عالم اسلام کو اپنے دفاع و سلامتی کی ایسی پڑ گئی ہے کہ اپنے مرض کے اسباب کو جانتے بوجھتے ہوئے اسی "عطار" کے لونڈے سے دوالینے پر مصر ہے جس کے ہاتھوں وہ بیمار ہوئے ہیں۔ "تہذیبوں کے تصادم" میں پچھلے ۳۰۰ برسوں کی تاریخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اسلام کے طلوع و عروج کے فوراً بعد عربوں نے مغرب پر چڑھائی کی جس کے رد عمل کے طور پر صلیبیوں نے مسیحی (پاپائیت) حکومت قائم کر کے مسلمانوں پر جوابی حملہ کیا اور یوں صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا جو خلافت عثمانی کے زوال پر منتج ہوا۔ تب برطانیہ، فرانس، اٹلی اور بعض دیگر مغربی ممالک مشرق و سطی اور شامی افریقہ کے مسلمان ملکوں پر قابض ہوئے۔ لیکن مغرب کے علماء، سیاستدانوں اور دانشوروں کو بخوبی معلوم تھا کہ مغرب اسلام کے خلاف سازشوں اور مکروہ فریب سے زیادہ دیر تک مخاصمت اور مقاومت کا یہ سلسلہ جاری نہیں رکھ سکتا۔ اور وہی ہوا کہ بیسویں صدی کی ستر ہویں عشرے تک سارے مسلمان ممالک مغربی استعمار سے آزاد ہوئے۔ لیکن مغرب نے بہت سوچ سمجھ اور اپنی سائنسی، علمی برتری کے زور پر اپنی تہذیب اور اقتدار کو دنیا بالخصوص عالم اسلام میں موجود اپنے ایجنٹوں اور آلہ کار کے ذریعے مسلط کرنے کی منصوبہ بندی کی اور اسلامی تہذیب کو مغرب کے عوام کے لئے ایک بڑے خطروں کے طور پر پیش کیا۔ مغرب کو معلوم ہے کہ اسلام ایک زندہ اور ہدایت و رہنمائی پر مبنی اصولوں پر قائم ضابطہ حیات ہے جس کو آج اسلامی بنیاد پرستی کا نام دیا گیا ہے اور ۱۹/۱۱ کے بعد اس کو دہشت گردی سے جوڑ دیا گیا ہے جبکہ قرآن و سنت پر نظر رکھنے والے ہر صاحب نظر کو معلوم ہے کہ اسلام دہشت گردی کا دنیا کے سارے مذاہب اور تہذیبوں سے بڑھ کر مخالف ہے۔ "اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا" اس لئے ہن ٹنگٹن لکھتا ہے کہ "مغرب کا بنیادی مسئلہ اسلامی بنیاد پرستی نہیں ہے۔ بلکہ یہ اسلام ہے جو ایک مکمل نظام اور تہذیب کی صورت میں اپنی بقاء و اظہار کا قائل ہے اور دنیا کے اکثر مسلمان اپنی تہذیب کی مکتبی پر پریشان ہے۔"

مغرب ہی کے ایک فرزند (مسلمان) مرد ہووف میں نے ہن ٹنگٹن کے نظریے کے بارے میں جا بجا فرمایا ہے کہ "ہن ٹنگٹن غلط ہو سکتا ہے لیکن وہ بے وقوف نہیں ہرگز نہیں۔ اسلامی بنیاد پرستی، دہشت گردی، انتہا پسندی، ریڈ یکل اور پولیٹیکل اسلام جیسے الزمات اور عنوانات لگانے اور پھیلانے میں مغرب کا اصل ہدف اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کی رگ جاں اسلامی تہذیب و ثقافت ہی ہے۔ اس لئے اس نے اس کو شانہ ملامت بنانے کے لئے اپنے ترکش کے سارے تیر

آزماتے ہوئے آج کے طاقتوں میڈیا کے ذریعے ساری دنیا میں اس کے خلاف پر زور پر پیگینڈا کیا تاکہ پوری دنیا اسلام، اسلامی تہذیب اور اسلامی دنیا کے خلاف بیکھا ہو کر صاف آراء ہو جائے اور اس وقت دنیا میں اسلام، پاکستان، سعودی عرب اور دیگر عرب اسلامی ممالک کے خلاف جو تمثاشا بنا ہوا ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارا پڑوسی مسلمان ملک افغانستان امریکہ سے درخواست کر رہا ہے کہ پاکستان پر دباؤ بڑھا کر کو ریا کی طرح تنہا کیا جائے۔ (ان کے منہ میں خاک)

مغرب اور دنیا کے سارے دانشور بخوبی جانتے ہیں کہ اسلام دنیا کے دیگر مذاہب کی طرح صرف مذہب نہیں ہے بلکہ یہ دین (Law of the Land) کے طور پر دنیا کے طاقتوں ترین تہذیب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ اس کے پاس پوری دنیا کے لئے ایک تبادل معتدل اور عادلانہ نظام حیات پیش کرنے کی پوری استعداد جو ہم مسلمانوں کے ہاتھوں فی الوقت رو بہ عمل نہیں ہے۔ لیکن مستقبل میں ضرور ایسا اور عادلانہ نظام حیات پیش کرنے کی پوری استعداد ہے جو ہم مسلمانوں کے ہاتھوں فی الوقت رو بہ عمل نہیں ہے۔ لیکن مستقبل میں ضرور ایسا ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب کے موئر خین، مفکرین، پالیسی ساز، سیاستدان، ادباء یہاں تک کہ صحافی اور فلم کی سکرپٹ لکھنے والے سب اس بات کا کھل کر اظہار کرتے ہیں کہ سرخ خطروہ (اشترائی سویت یونین) تو ختم ہو گیا لیکن اب اسلام ہے)۔^۸

اسی لئے مغرب کی حکومتیں اور ان کے دانشور اسلام کو اپنے عوام کے لئے ایک دشمن اور واضح دشمن کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا یہ دشمن ایک واضح اور جامع نام رکھتا ہے اور وہ ہے اسلام از اسلام۔ اس لئے ہن ٹنگلٹن اپنے ایک انٹرویو میں کھل کر اظہار کر چکا ہے کہ ”ریڈ یکل“ اسلام ایک مسئلہ بنा ہوا ہے اور جدید اسلام (تصوف وغیرہ) کے ذریعے اس مسئلے سے نمٹا جاسکتا ہے۔

ایڈورڈ سعید (جو لبانی نژاد مسیحی امریکی نامور سکالر گزر اے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ امریکہ اور مغرب کو اندر سے دیکھنے کے بعد وہ غیر اعلانیہ طور پر اسلام قبول کر چکا تھا۔ (واللہ اعلم)۔ مغرب کے اسی طرز فکر کے بارے میں کہتا ہے ”یورپ اور امریکہ کے عوام کے لئے ان کی حکومتوں نے میڈیا (نشر و اشتاعت کے سارے ذرائع استعمال کرتے ہوئے) کی ذریعے اسلام کو ایک ناپسندیدہ و ناگوار خبر کا عنوان بنایا کر پیش کیا ہے اور اس کا لاب لباب یہ ہے کہ اسلام مغربی تہذیب کے لئے سخت خطرہ ہے۔“ امریکہ کے مشہور تھنک ٹینک رینڈر کار پوریشن نے دنیا کے مسلمانوں کے بارے میں ایک سروے رپورٹ تیار کی تھی

جس کا نتیجہ یہ سامنے لایا گیا تھا کہ امریکہ اور مسلمان ایک دوسرے کے حریف ہیں اور اس کی نیادی وجہ مسلمانوں کا اپنے دین و تہذیب سے جڑے رہنا ہے۔^۹

مغرب نے اسلام کے ساتھ محاصلت ثابت کرنے کے لئے بے شمار اسباب و ذرائع بیان کئے۔ مستشر قین کی پہلی کھیپ نے اسلام کو مشکوک و مشتبہ بنانے کے لئے ایک صدی لگائی اور کتب کے انبار لگائے۔ دوسرے مرحلے میں الزامات کے ذریعے تصادم کی راہیں تلاش کر کے جنگیں کروائیں۔ آج ایک دفعہ پھر جدید دنیا میں حدید الزامات کے ساتھ مغرب اسلام کے مقابل کھڑا ہو کر پانی گدلا کرنے کی بھرپور کوشش میں ہے اور بار بار سڑیوٹاپ باتیں کہ اسلام جدیدیت اور جدید تضادوں کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ عورتوں کے حقوق اور آزادی کے خلاف ہے۔ اسلام اور جمہوریت کے درمیان کوئی مطابقت نہیں، وغیرہ وغیرہ۔

ان سارے الزامات کے باوجود یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے ہ اسلام تہذیبوں کے تصادم کا نہ قائل ہے اور نہ کوئی ارادہ رکھتا ہے۔ اسلام کا ماضی کھلی کتاب کی طرح ہے جس میں اسلام نے دوسری تہذیبوں سے جنگ و تصادم کی جگہ ختم، برداشت، عفو در گزر اور دعوت و اصلاح ہی کو ترجیح دی ہے۔ پروفیسر خورشید احمد نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ”تہذیبوں میں مکالمہ، تعاون، مسابقت حتیٰ کہ ثبت مقابلہ سب درست لیکن تہذیبوں میں تصادم، جنگ و جدال، خون خرابی اور ایک دوسرے کو مغلوب و محکوم بنانے کے لئے قوت کا استعمال انسانیت کے شرف اور ترقی کا راستہ نہیں ہے۔ مراد ہوف مین نے اس سلسلے میں کمال کی فکر عطا کی ہے ”تہذیبوں کے ارتقاء میں کبھی کوئی زیر و پوائنٹ نہیں ہوتا۔ دنیا میں ہر شخص نے کسی دوسرے شخص سے فیض پایا اور ہر شخص نے کسی دوسرے کی کامیابیوں پر اپنی عمارت کھڑی کی ہے۔^{۱۰}

مغرب کو چاہئے کہ اپنی کامیابیوں میں دنیا بالخصوص اسلامی دنیا کو شریک کرے اور مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے عمل و فکر کے ذریعے اسلام کی حقانیت اور روحانیت سے پوری دنیا بالخصوص مغرب کی اندر کی تاریکیوں کو روشن کرے تاکہ اس دنیا کو جنت نظیر بن کر آخرت کی راہیں ہموار ہوں۔

حوالہ جات:

¹ - Rudyard Kipling, “The Ballad of East & West and never the twain shall meet”... is a poem by. It was first published in 1889 and has been much Collected.

- ^۲ - Francis Fukuyama, The End of History and the Last Man, International Affairs Journal, 1989.
- ^۳ - Bernard Lewis, The Roots of Muslim Rage, The Atlantic Monthly, Sept., 1990.
- ^۴ - Samuel Huntington, Clash of Civilization, Oxford University Press, 1992.
- ^۵ - ترجمان القرآن، شمارہ نومبر ۲۰۱۶، ڈاکٹر انیس احمد۔
- ^۶ - Zafar Ali Qureshi, Prof. Prophet Muhammad and Western Critics, Mansora, Lahore, 1992
- ^۷ - S. Huntington, Clash of Civilization.
- ^۸ - Saeedullah Qazi, Islam and Challenges of the Contemporary World, N.B. Printers, Peshawar, 1994.
- ^۹ - Said E.W. Covering Islam, Pantheon Books, New York, 1981
- ^{۱۰} - ترجمان القرآن، پروفیسر خورشید احمد، شمارہ ستمبر ۲۰۱۶

Bibliography:

1. Robert Lawson, World Religion and World Community, Columbia University Press, New York, 1963
2. Saeedullah Qazi, Islam and Challenges of the Contemporary World, N.B. Printers, Mohallah Gani, Peshawar, 1994.
3. Said E.W. Covering Islam: How the Media and the Experts Determine; How we see the rest of the world; Pantheon Books, New York, 1981
4. Zafar Ali Qureshi, Prof. Prophet Medean and Western Critics, Mansura-Lahore, 1992.
5. Maryam Jamila, Islam and Orientalism, Al-Matbaat ul Arabia, Old Anarkali, Lahore.